تنقیدی جائزہ — فکری مطالعہ

خاندانی منصوبہ بندی

حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ

سابق جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

شائع کردہ:

مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ - نئی دہلی

(©جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ)

نام کتاب .... :.... خاندانی منصوبہ بندی— تنقیدی جائزہ-فکری مطالعہ

مصنف .... :.... حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ

ساتواں ایڈیشن... :.... ستمبر ۲۰۰۷ء

تعداد .... :.... ایک ہزار

کمپوزنگ .... :.... مرکزی دفتر بورڈ (فیضان احمد ندوی)

پروف ریڈنگ... :.... محمد وقار الدین لطیفی ندوی

صفحات .... :.... ۳۲

قیمت .... :.... ۱۵/روپے

ناشر

مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ-نئی دہلی

فہرست

دو باتیں ۴

پیش لفظ ۶

خاندانی منصوبہ بندی کیوں؟ ۷

پہلا مسئلہ معاشی عدم توازن کا خطرہ ۹

کیا وسائل معاش محدود ہیں ۱۴

قدیم جاہلیت اور جدید جاہلیت ۱۶

فکری گمراہی کا جال ۱۸

''لوپ'' سے ''اسقاط حمل'' تک ۱۸

مسئلہ کا اصل حل ۲۰

دوسرا مسئلہ اعلیٰ معیار زندگی کو خطرہ ۲۴

تیسرا مسئلہ عورتوں کی صحت وتندرستی کو خطرہ ۲۵

آخری بات ۲۶

دو باتیں

رسالہ ''خاندانی منصوبہ بندی'' اس وقت لکھا گیا اور طبع ہوا جب ملک میں نس بندی کا پورا زور تھا۔ جبری نس بندی نے لوگوں کے ذہن پر بہت بُرا اثر ڈالا تھا۔ اور ہندوستان کے ہر طبقہ پر اس کا برا ردِّ عمل ہو رہا تھا۔ مضبوط حکومت کے خوف وہراس سے کہنے والوں کی زبانیں اور لکھنے والوں کے قلم رک گئے تھے۔ کوئی ایک ایسا رسالہ کسی زبان میں شائع نہیں ہوسکا جس میں خاندانی منصوبہ بندی کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہو جس میں جبری نس بندی کی شرعی حیثیت کو واضح کیا گیا ہو — اس وقت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی دامت برکاتہم نے یہ رسالہ لکھ کر اس فرض کفایہ کو ادا کیا جو ساری امت اور بالخصوص علماء کرام پر اعلاء کلمۃ اللہ کے سلسلہ میں عاید ہوتا ہے۔ اسی خوف وہراس کے دور میں یہ رسالہ اردو زبان کے اندر ہزاروں کی تعداد میں بار بار طبع ہوا۔ اور ہاتھوں ہاتھ نکلا، انگریزی، ہندی، گجراتی اور بنگلہ زبانوں میں اس کے ترجمے شائع ہوئے۔ انگریزی اور ہندی ترجمے لوک سبھا اور راجیہ سبھا کے معزز ممبران کی خدمت میں بھیجے گئے اور ہمیں یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ معزز ممبران نے اس کو پڑھا اور بڑی حد تک مطمئن ہوئے۔ اس سے پہلے ''رسالہ خاندانی منصوبہ بندی'' دارالاشاعت امارت شرعیہ پٹنہ کی طرف سے شائع ہوتا رہا۔ چنانچہ ناظم امارت شرعیہ کا پیش لفظ آپ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں گے۔

آج بھی اس رسالہ کی ضرورت باقی ہے اور ہر طرف سے مانگ آتی رہتی ہے۔ اس لئے یہ رسالہ چھٹی بار (۱) آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے شائع کیا جا رہا ہے۔

نیاز احمد رحمانی
آفس سکریٹری
جنرل سکریٹری آفس آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
خانقاہ رحمانی مونگیر
۵/اپریل ۸۴ء

---

(۱) اب یہ رسالہ ساتویں بار بورڈ کے صدر دفتر دہلی سے منظر عام پر آ رہا ہے، اللہ اس کو شرف قبولیت بخشے۔ (مرکزی دفتر مسلم پرسنل لا بورڈ، ۲۵ ستمبر ۲۰۰۷ء)

پیش لفظ

خاندانی منصوبہ بندی کو ایک تحریک کی شکل میں چلایا جارہا ہے، مختلف صوبوں میں اس کے لئے قانون سازی ہورہی ہے — محکمہ صحت کے ذمہ دار پوری قوت کے ساتھ خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کو عملی شکل دے رہے ہیں۔ جیسے جیسے یہ تحریک پھیل رہی ہے، بہت سارے ذہنوں میں ''مسئلہ'' بنتی جارہی ہے۔ اور مذہبی طبقہ — جو ہندوستان میں بہت بڑی تعداد میں آباد ہے — طرح طرح کے سوالات کررہا ہے۔ دفتر امارت شرعیہ، دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور دوسرے مذہبی اور ساجی اداروں کے دفاتر میں خطوط کے ڈھیر آتے چلے جارہے ہیں، جو بتاتے ہیں کہ یہ تحریک بہت سے ذہنوں میں ایک مسئلہ کی حیثیت اختیار کرچکی ہے۔

حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ نے اگلے صفحات میں اسی مسئلہ کی دینی اور معاشی حیثیت واضح کی ہے۔ اس مختصر رسالہ میں مسئلہ کے تمام اہم پہلو آگئے ہیں۔ یہ تحریر ایک ذمہ دار اور صاحب بصیرت عالم دین کی طرف سے خاندانی منصوبہ بندی کی دینی حیثیت کا اظہار ہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کی پالیسی بھی، اور باشعور طبقہ کے لئے لائحہ عمل بھی — ساتھ ہی علمائے کرام پر تشریح دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کا جو فرض عائد ہے اس کی ادائیگی بھی!

حضرت امیر شریعت مدظلہ کی زبان اور ان کا قلم برابر دین کی وضاحت اور حق کا اظہار کرتا رہا ہے۔ مصلحتوں نے کبھی ان کی رائے پر پردے نہیں ڈالے انہوں نے کم لکھا ہے، مگر جب لکھا ہے جرأت آمیز سنجیدگی اور حقیقت شناس توازن کے ساتھ لکھا ہے۔ پیش نظر تحریر میں یہ خوبیاں سموئی ہوئی ہیں۔

فخر ومسرت کے ساتھ یہ امانت آپ تک پہونچائی جارہی ہے۔ یقین ہے کہ آپ اسے دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے۔ اور اس سے ملنے والے پیغام کو دوسروں تک پہونچائیں گے۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سبھوں کو صحیح راستہ اختیار کرنے کی توفیق دے اور زندگی کو انسانی قدروں کے ساتھ گذارنے کا سلیقہ عطا فرمائے۔ آمین!

سید نظام الدین

ناظم امارت شرعیہ، بہار واڑیسہ

خاندانی منصوبہ بندی کیوں؟

خاندانی منصوبہ بندی Family Planing کا مقصد انسانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی پر روک لگانا اور اس طرح کائنات انسانی کو اس غیر معمولی دھماکہ خیز صورتحال سے بچانا ہے جو آبادی کے غیر متوازن اضافہ سے پیدا ہوسکتی ہے۔ انسانی آبادی کا یہ غیر معمولی اضافہ ہماری ترقی یافتہ تہذیب کے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔ اور ہمارے بلند معیار زندگی کو پست کرسکتا ہے۔ اس کا اثر انسانی صحت پر بھی پڑسکتا ہے۔ اس لئے ایسے ذرائع کا استعمال جو بچوں کی پیدائش کو روک سکیں اور انسانیت کو ایک بڑے متوقع خطرہ سے بچاسکیں خود انسانیت کی بڑی خدمت ہے۔

اس طرح خاندانی منصوبہ بندی کی ضرورت کو واضح کرنے کے لئے تین عنوانات اختیار کئے جاسکتے ہیں، جو وضاحت کے ساتھ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) انسانی نسل میں غیر معمولی اضافہ کا مسئلہ ایک عالمگیر مسئلہ ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ہندوستان میں اضافۂ آبادی کا تناسب خطرناک حد تک بڑھا ہوا ہے۔ اگر آئندہ تیس برسوں تک یہی صورتحال جاری رہی تو خطرہ ہے کہ آبادی دوگنی ہوجائے گی اور دوسری طرف وسائل معاش محدود ہیں۔ حکومت ان محدود وسائل کے پیش نظر اپنے

منصوبہ تیار کرتی ہے اور شہریوں کی تعداد میں تیز رفتار اضافہ ان سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ اس طرح مستقبل میں آبادی اور وسائل معاش کے درمیان عدم توازن کا شدید خطرہ لاحق ہے— ان حالات کا تقاضہ ہے کہ آبادی کے اس اضافہ پر قابو پایا جائے اور ایسے ذرائع استعمال کئے جائیں جن کے ذریعہ سالانہ ولادت کے اوسط کو کم کیا جاسکے۔ کوئی بھی شخص دو یا تین بچوں سے زیادہ نہ پیدا کرے۔ تبھی ہم اپنے ملک کے لئے ایسا معاشی منصوبہ تیار کرسکیں گے جو ملک کے بسنے والوں کی فلاح وبہبود کا ضامن ہو۔

(۲) آبادی کے اس غیر معمولی اضافہ کا بڑا اثر ہمارے معیارِ زندگی (Standard of living) پہ پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی خاندان کی کمائی محدود ہے، اس محدود کمائی سے ہی افرادِ خاندان کی معیشت اور ان کی ضروریات کی کفالت کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح خاندان کے افراد جتنے کم ہوں گے، آمدنی میں ان کا فی کس حصہ زیادہ ہوگا۔ اور افرادِ خاندان جتنے زیادہ ہوں گے۔ آمدنی اتنے زیادہ حصوں میں تقسیم ہوکر ہر فرد خاندان کا فی کس حصہ کم کردے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کم آمدنی کی وجہ سے روز بروز افرادِ خاندان کا معیار زندگی پست سے پست تر ہوتا جائے گا۔ اور بحیثیت مجموعی خاندان اور ملک کے شہریوں کے لئے اعلیٰ معیار زندگی کا حصول ناممکن ہوجائے گا۔ اس صورتحال کا تقاضہ ہے کہ بچوں کی پیدائش پر پابندی عائد کی جائے تاکہ کم سے کم افرادِ خاندان محدود کمائی میں حصہ پاکر اعلیٰ معیار زندگی حاصل کرسکیں۔

(۳) یہ بات بھی یقینی ہے کہ اولاد کی کثرت کا اثر عورتوں کی ذہنی اور جسمانی

صحت پر پڑتا ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر کثیر العیال عورتیں اپنی صحت خراب کربیٹھتی ہیں۔ اس لئے عورتوں کی صحت وتندرستی کو سامنے رکھتے ہوئے بھی زیادہ بچوں کی پیدائش پر روک لگانا مفید ہی نہیں، ضروری ہے۔

یہ ہے وہ نقطۂ نظر جو عام طور پر خاندانی منصوبہ بندی کی حمایت میں ظاہر کیا جاتا رہا ہے(۱)۔

اس نقطۂ نظر کا جائزہ لینا اور علم و دانش کی کسوٹی پر ان اسباب و دلائل کا محاسبہ ضروری ہے— ذیل میں ترتیب وار اس نقطۂ نظر کا جائزہ لیا جائیگا۔

پہلا مسئلہ معاشی عدم توازن کا خطرہ

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ قابل توجہ ہے کہ اگر ان بنیادوں کو تسلیم کرلیا جائے کہ معاش کے وسائل Resource محدود ہیں جو بڑھتی ہوئی آبادی کے بوجھ کو برداشت کرنیکی صلاحیت نہیں رکھتے تو ایسی صورت حال میں ہمیں کسی بھی منصوبہ بندی Planing کا فیصلہ کرنے سے پہلے یہ طے کرنا ہوگا کہ آمدنی اور وسائل معاش سے مراد، پورے ملک کی آمدنی، پورے ملک میں پیدا ہونے والی خوراک اور پورے ملک کے معاشی وسائل مراد ہیں یا کسی مخصوص فرد اور خاندان کی آمدنی اور اس کی کمائی مراد ہے؟

(۱) چنانچہ مسز سوشیلا نائر نے وزیر صحت حکومت ہند کی حیثیت سے ۱۹۶۶ء میں راقم الحروف کے نام ایک خط لکھا تھا، جس میں انہوں نے تقریباً مذکورہ بالا اسباب و دلائل کی روشنی میں مجھ سے خاندانی منصوبہ بندی کی حمایت حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی، میں نے ان کے خط کا تفصیلی جواب دیتے ہوئے لکھا تھا کہ میں خاندانی منصوبہ بندی کی حمایت سے معذور ہوں اور اسے غلط تجویز سمجھتا ہوں۔

خاندانی منصوبہ بندی کی حمایت کرنے والے جب وسائل معاش کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ان کی مراد پورے ملک کے معاشی وسائل ہوا کرتے ہیں۔ جب ایسی بات ہے تو ہمیں اولاً اپنے پورے ملک کی آمدنی، اس میں پیدا ہونیوالی خوراک کے اجناس اور اس کے دوسرے معاشی وسائل کی مقدار کا اندازہ کرلینا ضروری ہوگا اور یہ اندازہ کرتے وقت ان مختلف قدرتی آفات Natural Calamities کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہوگا، جو غیر متوقع طور پر ظاہر ہوکر ہمارے سارے اندازوں کو غلط بنا دیتی ہیں۔ بہر حال وسائل معاش کے اس اندازہ اور تخمینہ کے بعد اس کا جائزہ لینا ہوگا کہ ان محدود معاشی وسائل میں کتنی آبادی کا بوجھ برداشت کرنے کی صلاحیت ہے، پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ کوئی منصوبہ تیار کرتے وقت ہمارے ملک کی کیا آبادی ہے اور موت کا کیا تناسب ہے۔ اس کے بعد اندازہ مل سکے گا کہ ہمارے موجودہ یا متوقع معاشی وسائل ہمارے موجودہ آبادی کی ضروریات اور ان کے مطلوبہ معیار زندگی کی کفالت کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں — اگر موجودہ آبادی کے لئے مطلوب معیار زندگی اور ضروریات کی کفالت کے لائق وسائل معاش موجود نہیں ہیں تو پھر ایسی صورت نکالنی پڑے گی کہ موجودہ آبادی کو بھی کم کیا جا سکے۔ اور اگر موجودہ آبادی کے لئے تو یہ وسائل معاش کافی ہیں مگر کسی مزید بوجھ کو برداشت کرنے کی صلاحیت ان میں نہیں ہے۔ پھر یا تو پورے طور پر ولادت کے سلسلہ کو بند کردینا ہوگا، یا موجود لوگوں کو آنے والوں کے لئے جگہ خالی کرنی ہوگی۔ اور اگر وسائل معاش میں کچھ اور افراد کا بوجھ بھی سنبھالنے کی صلاحیت موجود ہے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ تخمیناً مزید کتنے افراد کی پیدائش ہمارے معاشی منصوبوں کو درہم برہم نہیں کرے گی۔ بس پورے ملک میں اتنے ہی افراد کو پیدائش کا

حق دیا جا سکے گا۔ اور فرد یا خاندان کی رعایت کئے بغیر پورے ملک میں ہمارے سالانہ یا پنجسالہ معاشی منصوبوں کے پیش نظر سالانہ یا پنجسالہ ولادت کا اوسط مقرر کرنا ضروری ہوگا اور کسی کو یہ حق نہیں دیا جائیگا کہ وہ پورے ملک کے پیمانہ پر متعین کی ہوئی ولادتوں کی تعداد سے زائد کوئی بچہ پیدا کرکے ملک کے معاشی منصوبہ کو درہم برہم کرے۔

اس تجزیہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ خاندانی منصوبہ بندی کرنیوالوں کا مذکور الصدر نقطۂ نظر جن بنیادوں پر اسے قائم کیا گیا ہے، اگر تسلیم کرلیا جائے تو بسا اوقات موجودہ آبادی کو کم کرنے کے لئے اگلوں کو پچھلوں کے لئے جگہ خالی کرنے کی خاطر کبھی قتل کا ارتکاب کرنا ہوگا، کبھی بیماروں، روگیوں، کی شفایابی کا انتظام کرنے کی بجائے انہیں موت کے گھاٹ اتر نے دینا ہی قوم کے لئے بھلا ہوگا — اور سب سے بڑی بات یہ کہ خاندان کی منصوبہ بندی کافی نہیں ہوگی بلکہ پورے ملک کی آبادی کو منصوبہ بند کرنے کے لئے توالد و تناسل کے پورے نظام کو سرکاری انتظام کے تحت دے دینا پڑے گا اور اس پر کڑی نگاہ رکھنی پڑے گی کہ مقررہ تعداد سے آبادی بڑھنے نہ پائے اور اگر باوجود ساری تدبیروں کے بڑھ جائے تو پھر ایسی تدبیر کی جائے کہ اس اضافہ کو ختم کردیا جائے۔

میں نہیں سمجھتا کہ "معاشی عدم توازن" (Economic Imbalance) کے اس موہومہ خطرہ کو سامنے رکھ کر انسانی فطرت Human Nature اور سماجی تشکیل Social Set Up کے تمام فطری تقاضوں کو پس پشت ڈال دیا جائیگا اور انسانیت کو برباد کردینے والے ان نتائج و عواقب کو کس طرح عقل انسانی برداشت

کر سکے گی۔ یہ فطرت اور اس کے تقاضوں سے کھلا ہوا انحراف ہے۔ اور انسان کے حق میں ایسا زہر ہے، جسے فطرت سلیمہ کبھی گوارا نہیں کر سکتی۔

اس کے علاوہ اس پورے نظریہ کی بنیاد دو مقدمات پر ہے۔ پہلا تو یہ کہ انسانی آبادی میں غیر محدود اضافہ ہو رہا ہے اور دوسرا مقدمہ یہ کہ معاشی وسائل محدود ہیں۔ اور جب اسے تسلیم کر لیا جائے گا کہ معاشی وسائل محدود ہیں اور اضافہ غیر محدود۔ تو ظاہر ہے کہ صارفین کی بڑھتی ہوئی تعداد کی کفالت محدود معاشی وسائل نہیں کر سکیں گے۔ لیکن اہل نظر اچھی طرح جانتے ہیں کہ سرے سے یہ خیال ہی درست نہیں کہ وسائل معاش محدود Limited ہیں— کائنات انسانی کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اول سے ہی انسانی آبادی میں اضافہ ہوتا رہا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ عقل انسانی معیشت کے لئے نئے وسائل کا انکشاف بھی کرتی رہی ہے۔ اس کائنات میں لاکھوں مخفی خزانے تھے جنہیں عقل انسانی نے پچھلی صدیوں میں منکشف کر دیا ہے اور آج سے چند صدی پہلے جن چیزوں کا وہم و گمان بھی نہیں تھا آج کا انسان ان سے روزمرہ کی زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس لئے سرے سے یہ تصور ہی صحیح نہیں کہ وسائلِ معاش محدود ہیں، دراصل اس طرح کی بات کہنا انسان کی نا اہلی کا اعتراف ہے۔ اور انسان کے عقل کی فاتحانہ صلاحیتوں اور انسان کی جہد و عمل کی قوتوں پر داغ لگانے کے برابر ہے— کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آج کی ترقی یافتہ سائنس جو ہمہ دم کائنات کے مخفی خزانوں کی کھوج میں لگی ہوئی ہے اور ہزار ہا ہزار فٹ نیچے زمین کی تہوں میں چھپے ہوئے خزانوں کی پیمائش کر چکی ہے وہ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہے کہ معاشی وسائل جس حد تک منکشف ہو چکے، اب کوئی خزانہ باقی نہیں رہا ہے۔ اور نہ

وہ زمین کی پیداواری صلاحیتوں کی آخری حد کو جانتی ہے، اور نہ فی ایکڑ زیادہ سے زیادہ پیداوار کا تخمینہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے— جب یہ حقیقت ہے تو پھر وسائل معاش کو محدود کہنا کس طرح بجا ہوگا؟ بلکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انسان جہد و عمل سے گریز کر کے انسانی آبادی کو محدود کر دینے کا آسان نسخہ محض اپنی کوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے— درحقیقت قدرت بخیل نہیں ہے۔ انسان قدرت کے عطیات سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا ہے اور اس کے لئے قدرت کے مقرر کئے ہوئے اصول کی روشنی میں جد و جہد اور سعی و عمل سے بھاگنا چاہتا ہے۔

ان حالات میں کیا صحیح نہیں ہوگا کہ ہم اپنی قیمتی صلاحیتوں کو انسانی آبادی کی حد بندی پر خرچ کرنے کے بجائے چھپے ہوئے وسائل معاش کی کھوج پر صرف کریں۔ کہ یہ انسانی فطرت اور اس کو ملی ہوئی قوتِ تسخیر کے شایانِ شان بھی ہے اور اس پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے بھی میل کھاتا ہے۔

کیا یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ پچھلی صدیوں کے انسان بھی اسی طرح کے اضافۂ آبادی کے موہوم خطرات اور تشویشناک عدم توازن کے تخیل کا شکار ہو جاتے، تو وہ سیکڑوں خزانے جن پر سے آج پردہ اٹھ چکا ہے، ابتک ہماری نگاہوں سے چھپے رہتے اور نہ جانے کتنے قیمتی انسانی جوہر وجود میں آنے سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار دئے جاتے؟

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے؟ بڑھتی ہوئی آبادی ضرورتوں کی ایک فہرست ہمارے سامنے لا کھڑا کرتی ہے تو پھر انسانی ذہن ان ضرورتوں کی تکمیل کے لئے نئی راہیں نکالتا ہے، جدید تمدن نے جب تیز رفتار سواری اور باہمی

قریبی رابطہ کی ضرورت محسوس کی، تو ذہن انسانی نے کائنات میں ودیعت کئے ہوئے قدرتی خزانوں کا انکشاف کر کے ایسی ایجادات کیں جس کی نظیر ماضی بعید میں ملنا مشکل ہے۔

پھر ہماری تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ اگر ایک طرف آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے تو دوسری طرف اس بڑھتی ہوئی آبادی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے وسائل معاش میں بھی چندو چند اضافہ رونما ہوا۔ چنانچہ ۱۸۸۰ء میں جرمنی کی کل آبادی ۴۵ ملین تھی اور اس وقت جرمنی معیشت کی تنگی کا شکار تھا۔ لوگ بھوکوں مر رہے تھے، لیکن ۳۴ سال بعد جب جرمنی کی آبادی ۶۸ ملین ہوگئی تو اس وقت ان کے معاشی وسائل میں کئی سوگنا اضافہ ہو چکا تھا۔

اور ایسی کوئی مثال نہیں دی جا سکتی کہ محض کسی ملک کی آبادی میں غیر معمولی اضافہ اس قوم کی تباہی، پسماندگی اور اسے موت کے دلدل میں ڈال دینے کا ذریعہ بنا ہو۔

کیا وسائل معاش محدود ہیں؟

قرآن نے بڑے بلیغ الفاظ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خزانہ خداوندی میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ البتہ ذہنِ انسانی پر ان خزانوں کا انکشاف ہر عہد کی ضرورت کے مطابق محدود مقدار میں ہوتا رہا ہے۔

"وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِيْنَ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ"

یعنی اے انسانو! تمہارے لئے اور ان مخلوقات کے لئے جن کے روزی رساں تم نہیں ہو، ہم نے اس کائنات میں معیشت کے لامحدود وسائل

رکھ دیئے ہیں۔ ہمارے پاس ہر چیز کے لامحدود خزانے ہیں۔ البتہ ہم ان خزانوں کا انکشاف متعین اور محدود مقدار میں کرتے ہیں اور معیشت کا یہ سامان محدود و معلوم مقدار میں نازل کرتے ہیں"۔

اس لئے وسائلِ معاش جو ہمیں محدود دکھائی دیتے ہیں یہ ہماری نظر کا دھوکہ ہے، فضل خداوندی جہد و عمل کو ضائع نہیں فرماتا۔ پیاسوں کو محروم نہیں لوٹاتا۔ ضرورت مندوں اور تلاش کرنے والوں کو اپنے فضل سے سب کچھ دیتا ہے۔

قرآن نے اس کی ایک بڑی حکمت بھی بتائی ہے کہ سامانِ معیشت کا محدود مقدار میں نزول ہی انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ ورنہ یہ انسان جس میں بخل، روک لینے، جمع رکھنے اور کم ہوجانے کے ڈر سے ذخیرہ اندوزی اور ارتکاز و احتکار Concentration & Hoarding کا مادہ پایا جاتا ہے۔ ان غیر محدود وسائل کو پا کر اپنے آپے میں نہیں رہے گا اور اس طرح وہ دنیا میں آنے والی آبادی کے حقوق کو بھی خود کھا جانے کی کوشش کرے گا۔

"قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا"

یعنی اے نبی! آپ لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم رب کائنات کی رحمتوں کے غیر محدود خزانوں کے مالک بنا دئے جاؤ تو کہیں خرچ نہ ہوجائے اس ڈر سے اسے روک کر رکھنا شروع کر دو گے کہ انسانی فطرت میں ہی تنگدلی اور بخل پڑا ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن رزق کو قدرت کا عطیہ اور اللہ کا فضل قرار دیتا ہے اور اس کی کھوج اور تلاش کا انسان کو مکلف قرار دیتا ہے۔

"فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ"۔

یعنی نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل اور اس کی بکھری ہوئی روزی کی تلاش میں لگ جاؤ۔

قدیم جاہلیت اور جدید جاہلیت

عرب جاہلیت بھی اولاد کی کثرت کو ایک بڑا خطرہ سمجھتے تھے اور محتاجی، معاشی تنگی، نیز افلاس کے خوف کے مارے اپنے بچوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ عربوں کا اجتماعی شعور غالباً اس وقت اتنا بیدار نہیں ہوا تھا جتنا آج کی انسانی دنیا کا ہے، ورنہ عجب نہیں کہ قتل اولاد کا یہ انفرادی عمل پوری قوم کا منصوبہ بند اجتماعی عمل بن جاتا۔ فرق عرب کی قدیم جاہلیت اور عہدِ حاضر کی جدید جاہلیت میں بس اتنا ہی تو ہوا کہ وہ اجتماعی شعور اور کسی جماعتی ڈھانچہ کے فقدان کی وجہ سے اپنی انفرادی زندگی میں موہومہ افلاس کے مہیب سائے کا خوف کھا کر اپنی اولاد کو قتل کر ڈالتے تھے اور آج اجتماعی شعور بھی بیدار ہو چکا ہے اور ''ریاست'' کی صورت میں قوم کا ایک اجتماعی نظام بھی موجود ہے۔ وہاں افراد کو اولاد کی کثرت کی وجہ سے افلاس، نیز آبادی اور وسائل معیشت کے درمیان عدم توازن کا خطرہ لاحق تھا۔ اور آج ریاست کو اپنی اجتماعی ہیئت کے ساتھ افلاس، تنگدستی اور معاشی عدم توازن کا شدید خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ اس لئے آبادی کو کم کرنے اور محدود کرنے کی ترکیبیں سوچی جا رہی ہیں — دونوں عمل کا پس منظر ایک ہی ہے۔ حاصل اور نتیجہ بھی ایک۔ طریقہ کار میں تھوڑا سا فرق ضرور ہے۔ اور وہ یہ کہ قدیم جاہلیت علم و دانش اور سائنسی تحقیقات کے ہتھیاروں سے مسلح نہیں تھی اور کھلے قتل کے

جرم کی مرتکب ہو رہی تھی آج کی جاہلیت علم و دانش کے ہتھیاروں سے مسلح ہے۔ اناٹومی (علم تشریح الابدان) پر ان کی نگاہ ہے۔ تو الدو تناسل کی سربستہ میکنزم سے وہ واقف ہے۔ اس لئے وہ ان رگوں پر بندھن لگا کر جن سے تولیدی جرثومے برآمد ہوتے ہیں، یعنی نس بندی کے ذریعہ اپنا مقصد پورا کر رہی ہے۔ اور اس طرح "وأد خفی" یعنی مخفی قتل کے جرم کا ارتکاب کرنا چاہتی ہے۔ اس طرح مقصد اور نقطۂ نظر ایک ہے۔ اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ وہاں ایک انفرادی عمل تھا جس نے آج منصوبہ بند اجتماعی عمل کی شکل اختیار کر کے جرم کی شناعت کو اور بڑھا دیا ہے۔

قرآن نے محض قتل اولاد کو منع نہیں کیا بلکہ اس عمل کے پیچھے چھپے ہوئے معاشی عدم توازن اور افلاس و تنگدستی کے موہوم خطروں کی صریح الفاظ میں مذمت ہے۔

''وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيرًا''

لوگو! اپنے بچوں کو افلاس و تنگدستی کے ڈر سے نہ مار ڈالو۔ ہم ہی انہیں بھی روزی دیں گے اور تمہیں بھی۔ بیشک ان کا قتل بڑا گناہ ہے۔

اس طرح قرآن نے خدا کو روزی رساں بتا کر جس کی طاقت غیر محدود، اور جس کے وسائل لامتناہی ہیں، یہ بتا دیا کہ اس خدا کو فراموش کر کے موہوم افلاس کی ہیبت ناک تصویریں کھینچ کر انسانی آبادی کو محدود کرنے کی کوشش بڑا جرم ہے۔ طریقہ کار بدلتے رہ سکتے ہیں، لیکن جہاں بھی پس منظر میں اس طرح کے گمراہ کن خیالات پرورش پا رہے ہوں گے، جرم کی شناعت اور شدت اپنی جگہ قائم رہے گی — اور پھر کیا اس انسانی آبادی کو جسے پیدا ہونے سے پہلے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہو، اپنے

آباء واجداد سے یہ پوچھنے کا حق نہیں ہوگا کہ ہمیں کس جرم میں مارا گیا۔ کیا محض اس قصور میں کہ تمہارے خیال میں ہم تمہارے حصہ کی روزی میں حصہ دار بن جاتے؟

"وَ اِذَا الْمَوْءدَۃُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ"۔

(جب مقتولہ پوچھے گی کہ اسے کس جرم کے بدلے قتل کیا گیا)۔

ظاہر ہے کہ موجودہ نسل انسانی کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔ اور سوائے اعتراف جرم کے کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

فکری گمراہی کا جال:

دراصل آج کا انسان اپنے دل ودماغ کی کج روی اور ذہن وفکر کی گمراہی کے بنے ہوئے جال میں خود پھنس گیا ہے۔ وہ اس جال کو توڑنے کی ہمت نہیں پاتا۔ ہاتھ پاؤں مارتا ہے لیکن نکلنے کا راستہ نہیں پاتا۔ انسان نے رزق رسانی کی چادر خالق کائنات اور ربّ کائنات سے لے کر خود اوڑھ لینا چاہا ہے اور پھر اپنے کو مسئلہ کے حل سے عاجز پاکر غیر فطری تحدید آبادی کی آڑ میں اپنا منہ چھپانا چاہتا وہ اعتراف نہیں کرنا چاہتا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کی یہ تحریک انسان کے اس بلند بانگ دعویٰ کی کھلی ہوئی تکذیب ہے کہ وہ انسانی آبادی کے معاشی اور غذائی مسئلہ کو حل کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور حقیقتاً یہ قدرت کے سامنے انسان کی شکست کا عملی اعتراف ہے۔

''لوپ'' سے ''اسقاط حمل'' تک

جیسا کہ جاننے والے جانتے ہیں کہ بات صرف دواؤں یا کسی خارجی آلہ کے استعمال کے ذریعہ یا نس بندی کے ذریعہ حاملہ ہونے پر روک لگانے تک محدود نہیں

رہی ہے بلکہ اسقاط حمل کو قانونی جواز عطا کرنے کی حد تک جا پہونچی ہے — اپنی بے بسی سے جھنجھلایا ہوا انسان اس پر بھی تیار ہے، کہ ہمارے معاشی وسائل میں حصہ بٹا لینے والے مستقبل کے انسان، اگر ماں کے پیٹ میں جنم لے چکے ہوں تب بھی انہیں اسقاط حمل کے ذریعہ موت کے گھاٹ اتار دینا جائز قرار پانا چاہئے — عرب کی جاہلیت اور اس جواز کے مطالبہ کرنیوالوں کے درمیان بس اتنا ہی فرق تو رہا کہ وہ ماں کی گود سے بچہ چھین لیتے تھے، اور یہ ماں کے پیٹ سے بچہ چھین لینا چاہتے ہیں۔

اس موقع پر مہاراشٹر کے سابق وزیر صحت مسٹر شانتی لال شاہ کی صدارت میں قائم ہونے والی اس کمیٹی کی سفارشات کو نگاہ میں رکھنا چاہئے جس میں یہ سفارش کی گئی تھی کہ اسقاط حمل پر جو پابندیاں قانوناً عائد ہیں، انہیں نرم کردیا جائے اور ایسی عورتوں کو حمل گرانے کی اجازت دی جائے جو لوپ کے استعمال کے باوجود حاملہ ہوگئی ہوں(۱)۔

یہ تو خیر پرانی بات ہے جو لوگ اخبارات پر نگاہ رکھتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسقاط حمل کے لئے جواز کے پچھلے چند برسوں میں کتنی زور دار وکالت کی گئی ہے۔

ان حالات میں نہیں کہا جاسکتا کہ اسقاط حمل کی کوششوں میں بھی اگر ناکامی ہوجائے تو یہ ماؤں کے پیٹ سے بچہ چھین لینے والے، کیا ماؤں کی گود سے بچوں کو چھیننے میں کوئی عار محسوس کریں گے؟

---

(۱) روزنامہ ملک وملت دہلی، مؤرخہ ۷/۱/۶۶ء

مسئلہ کا اصل حل

بڑھتی ہوئی آبادی سے پیدا ہونے والے مسائل کا حل یہ ہرگز نہیں ہے کہ ولادت پر پابندیاں عائد کردی جائیں، کیونکہ کھانیوالوں کی کمی کے ساتھ ساتھ مستقبل میں کمانے والوں اور وسائل معاش کے مخفی خزانوں کی کھوج لگانے والے بہت سے قیمتی افراد کی بھی کمی کا اندیشہ ہے۔

اصل حل یہ ہے کہ انسان اپنے گمراہ ذہن کے بنے ہوئے جال کو توڑ کر باہر نکلے، اپنی جس بے بسی پر وہ جھنجھلایا ہوا ہے اس کا اعتراف کر کے ربِّ کائنات پر یقین اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرے، پھر اس پر فضل خداوندی سے خود بخود ایسی راہیں منکشف ہوں گی جو اس کے وہم وخیال سے بھی بالاتر ہوں گی:

''وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجاً وَّ یَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ''۔

یعنی جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے لئے (تنگیوں سے) نکلنے کا راستہ پیدا کردے گا اور ایسے راستوں سے اسے روزی دے گا جس کا گمان بھی انسان کو نہیں ہوسکتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ فرد، خاندان یا قوم کی معاشی منصوبہ بندی کرتے وقت اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا اور فضول خرچی سے پرہیز، نیز وسائل معاش کی منصفانہ تقسیم اور مخصوص افراد یا گروہوں میں دولت کے ارتکاز کو روکنا انسان کی معاشی دشواریوں کا بہترین حل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جس آیت میں افلاس اور معاشی عدم توازن کے ڈر سے اولاد کو قتل کر ڈالنے سے منع کیا ہے، ٹھیک اس سے پہلے کی آیتوں میں رشتہ داروں، سماج کے کمزور طبقات (مساکین اور مسافرین) کا حق ادا کرنے کا

حکم دیا ہے اور فضول خرچی نیز اپنی معاشی قوت کو غیر ضروری اور نمائشی کاموں پر صرف کرنے سے منع کرتے ہوئے خرچ میں اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا ہے اور ٹھیک اس کے بعد یہ فرمایا گیا کہ اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو—واضح ہوا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ہماری معاشیات کی بنیاد کمزور طبقات کی کفالت، فضول خرچی، نمائش اور اسراف سے پرہیز، خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی صحیح قدر اور اپنے بجٹ میں مصارف کو متعین کرتے وقت اعتدال اور میانہ روی—پر رکھی جانی چاہئے۔

''وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًاŒ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًاŒ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْھُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَۃٍ مِّنْ رَّبِّکَ تَرْجُوْھَا فَقُلْ لَّھُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًاŒ وَلَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْھَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًاŒ اِنَّ رَبَّکَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًاŒ وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَاِیَّاکُمْ اِنَّ قَتْلَھُمْ کَانَ خِطْاً کَبِیْرًا''

یعنی رشتہ دار مسکین و مسافر کو اس کا حق دو، فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کا ناشکرا ہے (اس طرح گویا فضول خرچی رب کی دی ہوئی نعمتوں کی بے قدری اور ناشکری کے مرادف ہے) اگر ان سے (ضرورت مندوں سے) تم اعراض کرنا چاہتے ہو اپنے رب کی اس رحمت کی تلاش کی بنیاد پر جس کے تم امیدوار ہو تو انہیں نرم جواب دیدو (اگر کسی وقت تم مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو اور آئندہ حالات کی استواری کا انتظار کرنا چاہتے، تو تب بھی تمہارے لہجے میں نرمی رہنی چاہئے) اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھ نہ رکھو اور اسے بالکل کھلا چھوڑ دو کہ ملامت (چاہے) حسرت کا شکار ہونا پڑے۔ (نہ بخل اختیار کرو کہ

یہ باعث ملامت ہے اور نہ اسراف، کہ فضول خرچ آخر میں حسرت وافسوس کا شکار ہوتا ہے) اور بیشک تیرا رب جس کے لئے چاہتا ہے روزی میں کشادگی پیدا کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگی۔ اور بیشک وہ اپنے بندوں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہے اور وہ سب اسکی نگاہوں میں ہیں۔ اور اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کر ڈالو۔ ہم ہی ان کو روزی دیں گے اور تم کو بھی۔ بیشک ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔

اور دوسری جگہ قرآن نے مخصوص طبقات میں دولت کے ارتکاز کو نا پسند فرمایا اور مال فئی کا ذکر کرتے ہوئے مختلف طبقات اور سماج کے کمزور طبقوں میں اس کے تقسیم کئے جانے کی حکمت یہ بتائی کہ اس طرح دولت سرمایہ داروں کے بیچ گھر کر نہیں رہ جائے گی۔

''كَيْلَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ''۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت نے زکوۃ فرض کی، وراثت کے ذریعہ مال کو تقسیم کیا۔ دوسری قانونی واخلاقی تعلیمات کے ذریعہ دولت کے ارتکاز کو روکا۔

تیسری چیز مسئلہ کے حل کے سلسلہ میں ضروری یہ ہے کہ انسان اپنی قیمتی صلاحیتیں نئے نئے وسائل معاش کی کھوج میں صرف کرے۔ لایعنی اور بے فائدہ کاموں میں اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنا عقلی جوہر اور اپنی جسمانی قوت پوری انسانیت کی فلاح کے لئے ان معاشی وسائل کی تلاش پر لگائے جو نگاہوں سے مخفی ہیں اور جن کی ''یافت'' انسانی آبادی کی راحت کا ذریعہ بن سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جگہ جگہ رزق کی تلاش کی ترغیب دی ہے اور اس سلسلے میں کی جانے والی محنت کو بنظر استحسان دیکھا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی وسائل معاش کی تلاش وجستجو میں مشغولیت کو جہاد فی سبیل اللہ کے بعد سب سے زیادہ محبوب قرار دیا ہے۔ قرآن

نے نماز تہجد میں تخفیف کے سلسلہ میں بیماری اور جہاد کے عذر کے ساتھ ساتھ رزق کی تلاش میں کئے گئے سفر کو بھی ذکر کیا ہے۔

''عَلِمَ أَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَرْضٰى وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ''۔

یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں کچھ لوگ بیمار ہوں گے۔ دوسرے کچھ لوگ اللہ کے فضل (روزی) کی تلاش میں سفر پر ہوں گے اور کچھ لوگ اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہوں گے، پس جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر تک غلہ لے جا کر اس روز کے عام نرخ پر فروخت کرنے والا اللہ کے یہاں مرتبہ والا شمار ہوگا (۱)۔

حضرت عمرؓ نے اسی آیت کو تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ حالتِ جہاد کی موت کے بعد مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ وہ موت ہو سکتی ہے جو اللہ کی روزی تلاش کرتے ہوئے کسی پہاڑ کی گھاٹی میں آجائے (۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسانی آبادی کے اضافہ سے پیدا ہونے والی معاشی الجھنوں کا حل انسانی آبادی کی تحدید کے غیر فطری طریقوں کو اختیار کرنا نہیں، بلکہ وسائل معاش کے اضافہ کی جدوجہد ہے۔

---

(۱) ابن مردویہ۔ (۲) بیہقی فی شعب الایمان

دوسرا مسئلہ

اعلیٰ معیارِ زندگی کو خطرہ

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ غور کرنے کی ہے کہ ''معیارِ زندگی'' خود کوئی واضح اور متعین معیار رکھتا ہے یا نہیں۔ کیا اس کے لئے کوئی ایسا پیمانہ مقرر کیا جاسکتا ہے جو ہر زمانہ میں، ہر سوسائٹی اور ہر ملک میں یا کم سے کم ایک ہی ملک کے مختلف علاقوں اور طبقات میں برابری کے ساتھ موجود ہو؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، معیارِ زندگی ایک اضافی Relative حقیقت ہے۔ ہر دور میں اس کے پیمانے بدلتے رہتے ہیں۔ ہر سوسائٹی اپنے لئے نئے معیار وضع کرتی ہے۔ ہر شخص خوب سے خوب تر کی تلاش میں مشغول ہے۔ ہر خاندان اپنے موجودہ معیارِ زندگی کو کمتر اور پست محسوس کر کے بہتر اور بلند تر معیار کی تلاش وجستجو میں سرگرداں ہے۔ انسان کی بنیادی ضرورتیں تو متعین ہیں، لیکن اپنی زندگی کے لئے خود اپنے بنائے ہوئے پیمانوں، اپنی آرزوؤں کی تکمیل اور اپنے حسین خوابوں کی تعبیر دیکھنے کے لئے بے چین انسان اپنی تمناؤں کا ایسا شیش محل تیار کرتا ہے جہاں اسے عیش ونشاط کی چیزیں زندگی کی بنیادی ضرورتیں نظر آنے لگتی ہیں— اس طرح یہ بات خطرناک ابہام کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے کہ آخر انسان کون سے معیارِ زندگی کے حصول کے لئے آنے والی انسانی آبادی کو پیدائش سے روک دینا چاہتا ہے— اور اس کا مطلب تو یہی نکلا کہ جب سالانہ فی کس سو روپے اوسط آمدنی رکھنے والی آبادی اگر فراغت کی زندگی گذارنے کے لئے کم سے کم اولاد رکھنے کی خواہش ظاہر کرسکتی ہے تو ایک لاکھ روپے فی کس اوسط آمدنی والی قوم کو بھی اس کی

اجازت ملنی چاہئے کہ وہ اپنے موجودہ معیارِ زندگی کو جو تعیّشات سے بھرپور ہے قائم رکھنے یا مزید تعیّشات حاصل کرنے کی راہ میں مزید اولاد کو رکاوٹ محسوس کرتی ہے تو وہ بھی نسلِ انسانی کی تحدید اور ضبطِ تولید پر عمل پیرا ہو— کیا یہ صورت حال کھلی ہوئی خود غرضی، بدترین اخلاقی گراوٹ اور اگلوں کی طرف سے پچھلوں پر صریح ظلم نہیں ہے؟ کیا ایثار وقربانی کے جذبات سے محروم اور اپنی ہوس کی تکمیل میں منہمک یہ انسان ''انسان'' کہلانے کا مستحق ہے؟ اور کیا ایسی صورت میں ہم اعلیٰ انسانی اقدار کے قاتل نہیں قرار دئے جائیں گے؟— حقیقت یہ ہے کہ معیارِ زندگی کو قبلۂ مقصود بنا کر انسانی نسل کشی کو جائز قرار دینا ایک تاریخی جرم ہوگا، اور کسی طرح انسانیت کے لئے اسے فالِ نیک نہیں کہا جاسکتا۔

تیسرا مسئلہ

عورتوں کی صحت وتندرستی کو خطرہ

بلاشبہ یہ بات اہم اور قابلِ توجہ ہے کہ کسی عورت کی صحت اگر تجربہ کار طبیبوں کی نگاہ میں اس لائق نہیں ہے کہ وہ حمل اور ولادت کے دشوار گذار مرحلوں سے گذر سکے اور اس کی جان کو خطرہ یا کسی بڑے نقصان کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں اس عورت کو ایسے جائز طریقوں کے استعمال کی رائے دی جاسکتی ہے جو اس کی صحت جسمانی اور جان بچانے کے لئے ضروری اور مناسب ہوں۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ انفرادی معاملہ individual Case ہے ہمہ گیر قومی منصوبہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ عورتیں اپنی صحت جسمانی، قوتِ برداشت اور جسمانی صلاحیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ممکن ہے ایک عورت ایک بچہ کی

بھی ولادت کو برداشت نہ کر سکے — اور یہ تو آنکھوں دیکھا واقعہ ہے کہ بعض عورتیں متعدد اولاد کی پیدائش کے بعد بھی تندرست و توانا باقی رہتی ہیں۔ ایسی حالت میں اس شخصی ضرورت کو عمومی شکل دینا کس طرح قرین عقل ہو سکتا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ وہ عورت جو دس بچے پیدا کر سکتی ہے اور اس کی صحت و تندرستی پر کوئی اثر نہیں پڑتا اسے تین اولاد کا پابند کر دیا جائے۔ صاف ظاہر ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے غیر فطری عمل کو سندِ جواز عطا کرنے کے لئے تنکوں کو سہارا ڈھونڈھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آخری بات

خاندانی منصوبہ بندی کے منفی حل پر اپنا وقت، اپنی قوت اور اپنا سرمایہ ضائع کرنے کے بجائے اور اس کے جواز کے لئے کمزور دلیلوں کی تلاش کے بجائے ہمیں یہ چاہئے کہ زراعت، بنجر زمینوں کو پیداوار کے لائق بنانے، آب پاشی کے نظام کو بہتر بنانے، غلہ کے ساتھ ساتھ دوسری قسم کی غذاؤں کی نشو ونما اور دیگر وسائل معاش کی یافت پر توجہ دیں اور معاشرہ میں فرض کا احساس، ایمانداری اور خدا ترسی کے جذبات پیدا کریں، عیش و عشرت کی طرف بڑھتے ہوئے رجحان کو روکیں، خوب سے خوب تر کی تلاش کے جذبات کو ذرا دھیما کریں، اور توکل، صبر و شکر کے جذبات کو ترقی دیں۔ کیونکہ یہی ہماری مشکلات کا اصل حل ہے۔ اور ملک و قوم کی بھلائی کے نام پر جو غلط ڈگر اختیار کر لی گئی ہے اس سے واپس لوٹ کر صحیح راستہ اختیار کیا جائے۔

ہمارا ملک جمہوری ملک ہے — یہاں عقیدہ و یقین کی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے، کسی بھی شخص کو اپنے عقیدہ سے پھرنے اور اپنے مذہب کی تعلیمات کے خلاف عمل

پر مجبور نہیں کیا جا سکتا — پھر اس کی کہاں گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ اس ملک کے شہریوں کو کسی ایسے عمل پر مجبور کیا جائے جو نہ صرف مذہبی تعلیمات سے متصادم ہے، بلکہ خود انسانیت اور اس کے اعلیٰ اخلاقی اقدار کی بنیادوں کو منہدم کر دینے والا ہے — اس لئے ہمارے نزدیک خاندانی منصوبہ بندی، علمی اور عقلی بنیادوں پر اور مذہب کی روشنی میں ایک غلط منصوبہ ہے۔ خواہ اس کے لئے نسبندی کا طریقہ اختیار کیا جائے، یا اسقاطِ حمل کا، یا کوئی اور ذریعہ تلاش کیا جائے۔

اس وقت خاندانی منصوبہ بندی کی پوری اسکیم سمٹ کر نس بندی میں آ گئی ہے، جس پر پورا زور دیا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ محترمہ وزیر اعظم ہند اور وزیر منصوبہ بندی کے اس اعلان کے باوجود کہ ''اس اسکیم میں زور زبردستی نہیں کی جائے گی'' جبر و تشدد کے واقعات بھی پیش آ رہے ہیں، ہمیں اس طرف بھی توجہ کرنی چاہئے کہ یہ نس بندی رد کیا ہوا منصوبہ Rejected Formula ہے جو ملک مہذب، خوش حال اور ترقی یافتہ کہلاتے ہیں ان میں سے بہتوں میں نس بندی ممنوع قرار دی جا چکی ہے۔ ماہنامہ ''الفرقان'' تیسرا انتخاب نمبر اپریل، مئی، جون ٧٦ء میں ''نگاہِ اولین'' کے عنوان کے تحت اس مسئلہ پر دو چار صفحے لکھے گئے ہیں اسے آپ بھی ملاحظہ کریں۔

''ہماری اس دنیا کے بہت سے ملکوں کا حال یہ ہے کہ ان کی آبادی بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے جس کی وجہ سے ان کے ارباب حکومت ہراساں اور فکرمند ہیں کہ اگر آبادی میں اضافہ کی یہی رفتار رہی تو مستقبل میں سخت مشکلات پیش آئیں گی اور پوری آبادی کے لئے زندگی کی ضروریات پوری نہ کر سکیں گی۔ اس لئے قریب قریب ان سب ملکوں میں سرکاری سطح پر یہ کوشش کسی نہ کسی درجہ میں ہو رہی ہے کہ آبادی کے

اضافہ پر کنٹرول کیا جائے، اور ایسی تدبیریں عمل میں لائی جائیں جن کے نتیجہ میں آبادی میں اضافہ بے حساب اور غیر متوازن نہ ہو — فیملی پلاننگ (خاندانی منصوبہ بندی) اسی کوشش کا عنوان ہے — ہندوستان و پاکستان بھی انہی ملکوں میں سے ہیں اور خاصی طویل مدت سے ان دونوں ملکوں میں یہ کوشش جاری ہے اور اس مد پر ان کا کڑوروں روپیہ خرچ ہوتا رہا ہے۔ لیکن ابتک ان کوششوں کا انداز صرف ترغیبی رہا ہے۔

ہمارے ملک میں ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد سے جب بہت سے سرکاری کاموں میں تیز رفتاری آئی تو خاندانی منصوبہ بندی کے اس کام کو بھی تیزی سے چلانے اور مقررہ نشانے تک جلدی پہنچ جانے کی کوشش شروع ہوئی اور اس کے لئے خاص طور پر ''نس بندی'' کے طریقہ پر زور دیا جانے لگا جو ایک طرح کا آپریشن ہے۔

اگرچہ مرکزی حکومت کی طرف سے اس سلسلہ میں — جہاں تک ہمیں معلوم ہے — جبر وزبردستی کا رجحان ظاہر نہیں کیا گیا ہے لیکن بعض ریاستی حکومتوں یا ان کے وزراء اعلیٰ کی طرف سے دو یا تین بچوں کے بعد جبریہ نس بندی اور اس کے قانونی لزوم اور خلاف ورزی کی صورت میں قید اور بھاری جرمانے تک کے اعلانات اور بیانات اخباروں میں آئے اور ملک کے مختلف حصوں میں ایسے واقعات بھی اس سلسلہ میں ہوئے یا ان کی شہرت ہوئی جس کی وجہ سے بہت سے مقامات کے عوام میں ایک عجیب طرح کی دہشت اور سراسیمگی اور حکومت کے خلاف سخت ناراضی اور بیزاری کی فضا پیدا ہوگئی اور ہم جیسوں نے محسوس کیا کہ ایمرجنسی کے اقدام سے اشیاء ضرورت کی قیمتوں میں کمی اور عوام کے لئے دوسری بہت سی سہولتیں پیدا ہونے کی وجہ سے حکومت اور حکومتی پارٹی کانگریس پر ان کے اعتماد میں جو اضافہ ہوگیا تھا، جبریہ نس بندی سے

متعلق بعض ریاستوں کے اعلانات اور اس سلسلہ کے واقعات کی شہرت نے اس کو بہت نقصان پہونچایا۔

ہم کو حیرت تھی کہ اس کھلی ہوئی حقیقت کو کیوں نہیں محسوس کیا جارہا ہے کہ نس بندی کو قانون کے ذریعہ لازم قرار دینا اور پولیس وغیرہ کے ذریعہ اس پر جبری عمل درآمد کا اقدام غیر تعلیم یافتہ یا کم تعلیم یافتہ عوام، کسانوں، مزدوروں اور دیہات کے باشندوں کو جن کی تعداد ملک میں یقیناً بہت زیادہ ہے — حکومت اور کانگریس سے کس قدر دور کردے گا اور مخالف عناصر کے ہاتھ میں کیسا کارگر ہتھیار دیدے گا اور سیاسی لحاظ سے یہ سودا کسی وقت کتنا مہنگا پڑے گا!

خدا کا شکر ہے کہ اخباری روایت کے مطابق ۳۰ر اپریل کو وزیر اعظم نے کنبہ بندی کی اہمیت اور ضرورت پر حکومتی نقطۂ نظر سے زور دینے کے ساتھ یہ وضاحت بھی فرمادی کہ اس سلسلہ میں جبر خارج از ممکنات ہے (قومی آواز لکھنؤ یکم مئی ۷۶ء)۔

امید ہے کہ اس کے بعد ملک کی کسی ریاست میں بھی یہ غلطی نہیں کی جائے گی اور اگر کی گئی تو یقیناً ناقابل تلافی نقصان پہونچے گا — یہ کوئی باریک سیاسی نکتہ اور مشکل سے سمجھ میں آنے والا منطقی فارمولا نہیں ہے، بلکہ عوام کے حالات اور ان کے احساسات سے واقفیت رکھنے والوں کے لئے آنکھوں سے نظر آنے والی حقیقت ہے۔

اسی مسئلہ (خاندانی منصوبہ بندی اور اس کے لئے نس بندی) سے متعلق صوبہ یوپی کے سابق وزیر اعلیٰ آنجہانی سمپورنانند جی کے چھوٹے بھائی مسٹر پری پورنا نند ورما کا ایک مکتوب لکھنؤ کے انگریزی روزنامہ ''پایونیر'' کے شروع مئی کے ایک شمارہ میں شائع ہوا ہے جس میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو اس مسئلہ سے متعلق بعض اہم نکتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ موصوف نے اس میں منجملہ دوسری باتوں کے یہ بھی لکھا ہے۔

میری گذارش یہ ہے کہ ہماری حکومت Vasec Tomy (نس

بندی) کے عمل پر آخر اتنا زور کیوں دے رہی ہے! کیا ہمارے علم میں یہ تازہ ترین سائنٹیفک حقیقت نہیں آچکی ہے کہ یہ آپریشن دماغ کو کند کر دیتا ہے Pitoitary Glands (پٹیوٹری گلینڈز) کو متاثر کرتا ہے، اور اس کے اثرات مابعد بہت ضرر رساں ہوتے ہیں، یورپ میں اور دنیا کے دوسرے متعدد ملکوں میں یہ عمل صرف زیادہ عمر والوں کے لئے مخصوص رہتا ہے جو اپنی مردانہ قوت کو بہتر بنانا چاہتے ہیں۔ اس قسم کا آپریشن اگرچہ قوت مردانگی کو کچھ عرصہ کے لئے بڑھا دیتا ہے، لیکن آگے چل کر اس کے اثرات اتنے ضرر رساں ہوتے ہیں کہ اب ہندوستان کے سوا ہر ترقی یافتہ ملک نے اس کے استعمال کو خیر آباد کہہ دیا ہے، ریاستہائے متحدہ امریکہ، کناڈا، فرانس اور سوویت روس میں Vasec Tomy (نس بندی) کو ممنوع قرار دیدیا گیا ہے"۔

مسٹر پری پورنا نندورما کا یہ انتباہ یا مشورہ ملک اور عوام کے خیر خواہوں کے لئے ہرگز نظر انداز کر دینے کے لائق نہیں ہے۔

فیملی پلاننگ اور بالخصوص اس شکل "نس بندی" کے آپریشن سے متعلق خاص کر مسلمانوں کے سامنے جو اسلامی شریعت کی پیروی اور پابندی کے ساتھ زندگی گذارنا چاہتے ہیں یہ سوال بھی آتا ہے کہ ہماری شریعت میں یہ جائز بھی ہے یا نہیں؟

جہاں تک ہمیں معلوم ہے اسلامی شریعت کے ماہرین اور مستند اصحاب فتویٰ کی عام رائے اس بارے میں یہ ہے کہ کسی شخص کے لئے اپنے خاص حالات اور اپنی جائز مصلحت کی بنا پر یہ تو جائز ہے کہ اولاد کی تعداد کو محدود رکھنے کے لئے وہ عزل یا کسی اور جائز مانع حمل تدبیر یا دوا کا استعمال کرے، مگر اس مقصد کے لئے نس بندی جیسے عمل جراحی کے ذریعہ تولیدی صلاحیت ہی سے اپنے آپ کو محروم کر لینا (جو اس کے خالق و

پروردگار کا ایک خاص عطیہ ہے اور جس سے بہت سے مقاصد وابستہ ہیں) جائز نہیں — بہر حال نس بندی کو لازمی قرار دینے کا مسئلہ اس لحاظ سے بھی قابلِ غور ہے۔

آخر میں ہم ان تمام حکومتوں کے ذمہ داروں سے جو آبادی کے اضافہ سے ہراساں اور فکر مند ہیں اور اس کی وجہ سے "خاندانی منصوبہ بندی" کو ناگزیر سمجھتے ہیں — اگر ہماری کمزور آواز کسی طرح ان تک پہنچ سکے — یہ بھی عرض کریں گے کہ وہ انسان کی اجتہادی و ایجادی صلاحیت اور کارکردگی، اور زمین کی مزید پیداواری صلاحیت سے کیوں مایوس ہیں؟ انہوں نے کیوں اور کس دلیل سے یہ سمجھ لیا ہے کہ انسان زمین سے پیداوار حاصل کرنے کے لئے آج جو طریقے اور ذرائع کا استعمال کر رہا ہے آئندہ اس میں اب کوئی ترقی نہ ہوگی، اور زمین سے آج جو پیداوار حاصل کی جارہی ہے اس سے زیادہ حاصل ہی نہ کی جاسکے گی؟

حالانکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ صرف گذشتہ دس پندرہ برسوں میں خود ہمارے ملک میں پیداوار بڑھانے کی صلاحیت میں اور پہلے سے زیادہ پیداوار زمین سے حاصل کرنے میں کتنی ترقی ہوئی ہے اور برابر ہو رہی ہے، جن کھیتوں میں زیادہ سے زیادہ چار پانچ من فی بیگھہ گیہوں پیدا ہوتا تھا اب ان میں پندرہ من تک پیدا ہو رہا ہے، جن کھیتوں سے سال میں صرف ایک فصل لی جاتی تھی اب ان سے تین تین فصلیں لی جارہی ہیں اور اس سے زیادہ کے امکانات سامنے ہیں اور زمین کے علاوہ سمندر میں بھری ہوئی بے حد وحساب خوراک کو اپنی گرفت میں لینے اور قابل استعمال بنانے کی باتیں ہو رہی ہیں، پہلے کپڑا صرف کپاس یا اون یا ریشم سے تیار ہوتا تھا، اب طرح طرح کے مصنوعی ریشوں سے خود اپنے ملک میں کپڑے تیار ہو رہے ہیں اور ہمارے بازار ان سے پٹے پڑے ہیں، زمین کی پیداوار جدید ترین طریقوں سے دس بیس گنے تک بڑھ جانے کے امکانات نظر آرہے ہیں، اور ترقی یافتہ ملکوں نے ان امکانات کو بڑی حد تک

یقینی بنا دیا ہے، ان حالات میں آبادی کے بڑھنے سے فکر اور گھبراہٹ کا کیا جواز ہے؟

کافی عرصہ ہوا ملک کی عظیم شخصیت ''ونوبا بھاوے جی'' نے اسی مسئلہ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا:

''آدمی کا جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ کھانے کے لئے اگر ایک منہ لے کر آتا ہے تو کام کرنے کے لئے دو ہاتھ لاتا ہے''— میں اس پر یہ اضافہ کروں گا کہ وہ ضرورت کے مطابق نئی نئی باتیں سوچنے اور نئی نئی چیز ایجاد کرنے کی صلاحیت والا دماغ بھی لے کر آتا ہے، جس کا ظہور آج ہمیشہ سے زیادہ وسیع پیمانہ پر ہو رہا ہے۔

بہرحال یہ بات سوچنے کی ہے کہ اس وقت دنیا میں جو ترقیاں ہو رہی ہیں ان کو دیکھتے ہوئے انسان کی صلاحیت اور اس کے پیدا کرنے والے کی دین سے مایوس ہونے کا کیا جواز ہے؟

راقم السطور نے فیملی پلاننگ اور برتھ کنٹرول ہی کے متعلق ایک محقق کے مضمون میں پڑھا تھا کہ:

> روسی سائنس دانوں کی ایک ٹیم نے اندازہ لگایا ہے کہ دنیا کی زیر کاشت آسکنے والی زمین سے اتنی غذا پیدا کی جا سکتی ہے، جو ساڑھے نو کھرب انسانوں کی ضروریات کے لئے کافی ہو''۔

اور اس وقت عملی صورت یہ ہے کہ زمین پر انسانوں کی تعداد جدید ترین اندازے کے مطابق صرف ساڑھے تین ارب یا اس سے کچھ زائد ہے۔

۱۸رجنوری ۱۹۷۶ء　　　　منت اللہ رحمانی

اغراض و مقاصد

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

- ہندوستان میں ''مسلم پرسنل لا'' کے تحفظ اور شریعت ایکٹ کے نفاذ کو قائم اور باقی رکھنے کے لیے موثر تدبیر اختیار کرنا۔
- بالواسطہ یا بلاواسطہ یا متوازی قانون سازی جس سے قانون شریعت میں مداخلت ہوتی ہو، عام ازیں کہ وہ قوانین پارلیمنٹ یا ریاستی مجلس قانون ساز میں وضع کئے جا چکے ہوں یا آئندہ وضع کئے جانے والے ہوں یا اس طرح کے عدالتی فیصلے جو مسلم پرسنل لا میں مداخلت کا ذریعہ بنے ہوں انھیں ختم کرانے یا مسلمانوں کو ان سے مستثنیٰ قرار دیے جانے کی جدوجہد کرنا۔
- مسلمانوں کو عائلی و معاشرتی زندگی کے بارے میں شرعی احکام و آداب، حقوق و فرائض اور اختیارات و حدود سے واقف کرانا اور اس سلسلہ میں ضروری لٹریچر کی اشاعت کرنا۔
- شریعت اسلامی کے عائلی قوانین کی اشاعت اور مسلمانوں پر ان کے نفاذ کیلئے ہمہ گیر خاکہ تیار کرنا۔
- مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی تحریک کے لیے بوقت ضرورت ''مجلس عمل'' بنانا جس کے ذریعہ بورڈ کے فیصلے پر عمل درآمد کرنے کی خاطر پورے ملک میں جدوجہد منظم کی جا سکے۔
- علما اور ماہرین قانون پر مشتمل ایک مستقل کمیٹی کے ذریعہ مرکزی یا ریاستی حکومتوں یا دوسرے سرکاری و نیم سرکاری اداروں کے ذریعہ نافذ کردہ قوانین اور گشتی احکام (Circulars) یا ریاستی اسمبلیوں اور پارلیمنٹ میں پیش کئے جانے والے مسودات قانون (بل) کا اس نقطہ نظر سے جائزہ لیتے رہنا کہ ان کا مسلم پرسنل لا پر کیا اثر پڑتا ہے۔
- مسلمانوں کے تمام فقہی مسلکوں اور فرقوں کے مابین خیرسگالی، اخوت اور باہمی اشتراک و تعاون کے جذبات کی نشوونما کرنا، اور ''مسلم پرسنل لا'' کی بقا و تحفظ کے مشترکہ مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ان کے درمیان ربط اور اتحاد و اتفاق کو پروان چڑھانا۔
- ہندوستان میں نافذ ''محمڈن لا'' کا شریعت اسلامی کی روشنی میں جائزہ لینا اور نئے مسائل کے پیش نظر مسلمانوں کے مختلف فقہی مسالک کے تحقیقی مطالعہ کا اہتمام کرنا اور شریعت اسلامی کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے کتاب و سنت کی اساس پر ماہرین شریعت اور فقہ اسلامی کی رہنمائی میں پیش آمدہ مسائل کا مناسب حل تلاش کرنا۔
- بورڈ کے مذکورہ بالا اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے وفود کو ترتیب دینا، Study Teams تشکیل دینا، سیمینار، سمپوزیم، خطابات، اجتماعات، دورے اور کانفرنسوں کا انتظام کرنا، نیز ضروری لٹریچر کی اشاعت اور بوقت ضرورت اخبارات و رسائل اور خبرناموں وغیرہ کا اجرا، اور اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے دیگر ضروری امور انجام دینا۔